شیخ عبد الرحمٰن چشتیؒ

از

(جناب ڈاکٹر محمد عمر ریڈر شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ)

شیخ عبد الرحمٰن چشتیؒ کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک جید عالم تھے جن کو عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں پر قدرت حاصل تھی اور بحیثیت صوفی ان کا شمار اس عہد کے مشایخ میں ہوتا تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی تک اُن کے بارے میں کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ اِس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کا ذکر مراۃ عالم مصنفہ بختاور خاں کے سوا کسی دوسری ہم عصر کتاب میں نہیں ملتا۔ اِس لئے ان کی زندگی اور حالات کے بارے میں ہماری معلومات محدود ہیں اور معلومات کا واحد ذریعہ وہ سرسری بیانات ہیں جو ان کی تصانیف میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔

شجرۂ نسب: عبد الرحمٰن چشتی نے اپنا شجرۂ نسب اِس طرح بیان کیا ہے۔ عبد الرحمٰن بن عبد الرسول بن قاسم بن شاہ بدھ عباس العلوی چشتی آخر الذکر شیخ بدھ[1] چشتی سلسلے

---

[1] مخدوم اولیا عرف شیخ بدھ بن شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبد الحق ردولوی اپنے والد کے جانشین ہوئے تھے۔ شیخ بدھ صوری اور معنوی کمالات کے حامل تھے۔ شیخ عبد الرحمٰن قدوائی، جن کی عمر تقریباً سو سال کی تھی، بلا واسطہ ان کے مرید تھے۔ آخری عمر میں شیخ بدھ نے پیران چشت کی امانت اپنے نیک بخت بیٹے، شیخ پیر کے سپرد کی اور انھوں سے رحلت فرمائی۔

عبد الرحمٰن چشتی نے یہی لکھا ہے کہ حضرت شیخ بدھ نے خرقۂ خلافت اپنے چھوٹے بیٹے۔ شیخ منصور کو تفویض کیا تھا۔ شیخ منصور ایک بزرگ تھے اور انھوں نے دور دراز مقامات کی سیر و سیاحت کی تھی۔ انھوں نے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری وغیرہ مشایخ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیضان حاصل کیا تھا۔ شیخ منصور کے بیٹے۔ شیخ عالم تھے جن کی خدمت میں عبد الرحمٰن چشتی حاضر ہوا

کر [illegible]

میں بیعت تھے۔ اشوری نے لکھا ہے کہ وہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کی اولاد میں سے تھے۔ اپنے بھائی کی وفات پر ۱۶۲۲ء میں ردولی کی مقامی چشتی شاخ کے سربراہ ہوئے تھے[۱]

وطن اور ابتدائی زندگی: شیخ عبدالرحمن چشتی کی ولادت دنیٹھی یا دھنٹی نامی گاؤں میں ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء میں ہوئی تھی جو لکھنؤ سرکار میں واقع تھا۔ بعد میں اس گاؤں کا نام رسول پور رکھ دیا کیوں کہ اُن کے والد عبدالرسول نے وہاں سکونت اختیار کرلی تھی۔ شیخ عبدالرحمن چشتی کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا کہیں ذکر نہیں ملتا جو غالباً گھر ہی میں ہوئی ہوگی۔ بعدہٗ انھوں نے قصبہ امیٹھی جاکر کسبِ علوم کیا۔ یہ قصبہ علم و ادب کا مرکز تھا۔ بعد میں انھوں نے راہِ طریقت اختیار کرلی[۲]

سلسلۂ طریقت: اپنے بیان کے مطابق عبدالرحمن چشتی نے متعدد سلسلوں کی تعلیمات سے فیضان حاصل کیا تھا۔ انھوں نے ان سلسلوں کی تفصیل نہیں بتائی ہے۔ لیکن درحقیقت انھوں نے چشتی سلسلہ کے اذکار و اشغال کے ذریعہ طریقت کی منزلیں طے کی تھیں۔ طریقۂ صوفیہ کی تعلیم انھوں نے شیخ حمید[۳] سے پائی تھی جو اپنے زمانہ میں قطب

---

[۱] C.A. STOREY. PERSIAN LITERATURE
VOL. 1. LONDON. 1953. P. 1005.

[۲] بختاور خاں: مرآۃ عالم (قلمی) ص ۱۲۲ الف و ب۔ نیز شیخ محمد بقا، بقا سہارنپوری؛ مرآۃ جہاں نما: ص ۳۲۳ ب۔ بختاور خاں، عبدالرحمن چشتی کا ہم عصر تھا۔ عہدِ اورنگ زیب کے امرا میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ عبدالرحمن چشتی سے اس کے ذاتی مراسم تھے۔ بختاور خاں نے اُن کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے۔ بختاور خاں کا انتقال ۱۶۸۵ء میں ہوا تھا۔
ڈاکٹر نور الحسن انصاری۔ فارسی ادب بعہدِ اورنگ زیب (دہلی ۱۹۶۹ء) ص ۲۶۳ - ۲۶۶

[۳] شیخ حمید الدین بن شیخ قطب الدین انسانی کمالات سے آراستہ تھے اور علومِ ظاہری و باطنی میں پوری قدرت رکھتے تھے۔ والد کے انتقال کے تیسرے دن اِن کی رسم جانشینی ادا کی گئی اور فاتحہ سوم کے بعد وہ اپنے حجرے میں مقید ہوگئے اور ایک سال تک باہر نہ نکلے، ریاضت شاقہ اور یادِ الٰہی میں مصروف رہے قلتِ طعام کے ذریعہ روحانی مدارج طے کئے۔ دنیا داروں سے دور رہتے تھے۔ آخری عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ وہ اکثر تفسیر زاہدی کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ توحید وجودی مسلک کے پیرو تھے۔ سماع کو جائز سمجھتے تھے۔ خوش الحان قوال ہمہ وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں دیوانِ حافظ اور دیوان مغربی سے غزلیں اور شیخ شرف الدین بو علی قلندر کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ عبدالرحمن چشتی (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کا مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ حمید کا روحانی سلسلہ اس طرح تھا۔
شیخ حمید نے اپنے والد بزرگوار شیخ قطب الدین[1] سے تربیت پائی تھی اور انھوں نے اپنے والد شیخ اولیا عرف شیخ بدھ سے، شیخ بدھ نے شیخ محمد سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عارف[2] سے، انھوں نے اپنے والد شیخ احمد عبدالحق ردولوی[3] سے سلوک طے کیا تھا جو عبدالرحمن چشتی کے مرشدِ معنوی تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا بیان ہے کہ انھوں نے شیخ حمید سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ شیخ حمید کا انتقال [illegible] میں ہوا تھا۔ مزار سودلی میں واقع ہے۔
برائے تفصیل ملاحظہ ہو، مرآۃ الاسرار۔ ص ۳۳۷ الف و ب

[1] شیخ میر نے اپنے بیٹے شیخ قطب الدین کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ شیخ قطب الدین حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تھے۔ مریدوں کی روحانی تربیت میں خاصی دلچسپی لیتے تھے۔ قصبہ پانی پت کے ساکن، شیخ معروف [illegible] (دیکھیے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار (اردو ترجمہ پاکستان ایڈیشن) ص ۷۹۸) ان کے مرید تھے۔ شیخ قطب الدین نے حضرت شیخ علاءالدین علی احمد صابر کلیری کے مزار پر حاضری دی اور روحانی فیضان حاصل کیا۔ اکبر بادشاہ کے امیروں میں رحمت خان، شیخ موصوف سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ مرآۃ الاسرار [illegible]

[2] شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق ردولوی صاحب کمالات بزرگ تھے۔ اور دینی علوم میں ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بن اسمٰعیل حنفی نے ان سے بیعت کر کے روحانی تربیت حاصل کی تھی اور خرقۂ خلافت بھی پایا تھا۔ آخری عمر میں جب شیخ محمد علیل ہوئے تو انھوں نے اپنے بڑے بیٹے شیخ بدھ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ شیخ محمد۔ سلطان بہلول لودی ([illegible] تا [illegible]) کے زمانے میں اپنے مریدوں کی [illegible] میں مصروف تھے۔ مرآۃ الاسرار: ۳۳۵ ب - ۳۳۶ الف - مولانا غوثی شطاری۔ گلزار ابرار (اردو ترجمہ، مطبع مفید عام آگرہ۔ [illegible]) ص ۵۰۲، اخبار الاخیار۔ ص ۳۴۰ -

[3] شیخ محمد عبدالحق ردولوی کے بیٹے تھے اور اُن کے جانشین بھی ہوئے تھے۔ تقریباً چالیس سال کی عمر پائی۔ ان کی ولادت [illegible] میں ہوئی تھی اور انھوں نے [illegible] میں وفات پائی۔ لیکن خزینۃ الاصفیا میں ان کے انتقال کا سنہ [illegible] لکھا ہے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۰، مرآۃ الاسرار: ص ۳۳۵ ب، مولوی غلام سرور۔ خزینۃ الاصفیاء (مطبع منشی نول کشور کانپور، ۱۸۹۴ء) جلد اول۔ ۳۹۶ - ۳۹۷

[4] شیخ احمد عبدالحق بن شیخ عمر کی ولادت [illegible] میں اور ان کا انتقال [illegible] میں ہوا تھا۔ وہ شیخ جلال الحق والدین پانی پتی کے مرید و خلیفہ اور صاحب تصرف و کرامات بزرگ تھے۔ عبدالرحمن چشتی نے مرآۃ الاسرار میں ان کا تفصیل ذکر کیا ہے۔ شیخ احمد عبدالحق ریاضتِ شاقہ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چھ ماہ تک وہ ایک [illegible]
. . . . قبر میں بند ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے ... ریاضت کے صلے میں انھیں [illegible] کا خطاب ملا تھا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ الہداء چشتی۔ سیر الاقطاب (مطبع نول کشور لکھنؤ [illegible])
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

شیخ احمد عبدالحق ردولوی نے شیخ جلال الحق والدین پانی پتی[1] سے اور انھوں نے حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی[2] سے استفادہ کیا تھا۔ اس طرح یہ سلسلہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تک پہونچتا ہے۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی سے غائبانہ کسب فیض کرنے کی وجہ سے عبدالرحمن چشتی خود کو اویسی تصور کرتے ہیں۔ مزید برآں ابتدائی دور میں سلوک میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ص ۲۱۵-۲۲۲؛ اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۳-۲۳۷؛ مرآۃ الاسرار ص ۳۳۵ب-۳۳۸ الف۔ گلزار ابرار۔ ص ۵۸۲-۵۸۶؛ خزینۃ الاصفیا جلد اول۔ ص ۳۸۴-۳۸۷

[1] آپ کا اصلی نام محمد بن محمود پانی پتی کا زرونی تھا لیکن اُن کے پیر و مرشد، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی نے انھیں جلال الدین کا لقب دیا تھا۔ وہ حضرت جلال الدین محمد کبیر الاولیا کے نام سے بھی یاد کئے جاتے تھے۔ ہندوستان میں وہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مریدین اور خلفاء کثیر تعداد میں تھے۔ فقر و فاقہ کی زندگی گذارتے تھے اکثر صحرا میں جاکر تنہائی میں یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس عہد کے علماء و مشایخ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ انھیں سماع سے دلچسپی تھی۔ ان کی مشہور تصنیف زاد الابرار ہے۔ انھوں نے ۷۶۵ھ میں وفات پائی۔ مزار پانی پت میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

سیر الاقطاب: ۱۹۷-۲۱۵؛ مرآۃ الاسرار۔ ۲۹۹ب-۳۰۲ الف، خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص ۳۶۱-۳۶۵؛ پانی پت اور بزرگان پانی پت (مطبوعہ الجمعیۃ پریس، دہلی) ص ۱۹۹، بعد

[2] شیخ شمس الدین ترک، شیخ احمد یسوی کے بیٹوں میں سے تھے۔ چند واسطوں سے اُن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن الحنفیہ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔ اصلی وطن ترکستان تھا۔ وطن میں ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد طلب حق میں اپنے وطن سے روانہ ہوئے؛ ماوراء النہر پہونچے، وہاں کے علماء و مشایخ سے استفادہ کیا۔ آخر میں ہندوستان کا رُخ کیا اور اجودھن آئے جہاں حضرت بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ میں روحانی تربیت کا سلسلہ جاری تھا۔ شیخ شمس الدین ترک، حضرت خواجہ علاء الدین احمد صابر کلیری کے دامن سے وابستہ ہوئے اور اُن کے خاص الخاص خلیفہ ہونے کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔ پانی پت میں سکونت اختیار کی، قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۷۱۵ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ مزار پانی پت میں ہے۔

سیر الاقطاب: ۱۸۴-۱۹۷؛
مرآۃ الاسرار: ۲۶۲ الف-۲۶۷ب،
خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص ۳۲۱-۳۲۵؛ پانی پت اور بزرگان پانی پت ص ۱۷۱-۱۹۷

(یعنی ۱۶۳۲ء) تک انھیں روحانی فیضان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے پہنچا تھا

ایک موقع پر عبدالرحمن چشتی نے لکھا ہے کہ راہِ سلوک کے وسط میں صوفیہ کی واردات کا علم حاصل کرنے کی غرض سے چند مرتبہ چلہ کشی کی۔ اس کے باوجود دلی تمنا پوری نہ ہوئی یعنی وہ کیفیت طاری نہ ہوئی جس سے روحانی تسکین ہوتی۔ اس لئے انھوں نے تذکرۃ الاولیا کا لفظاً لفظاً مطالعہ کیا۔ اِس میں جب وہ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی معراج کے بیان پر پہنچے تو وہ کیفیت جس کے وہ متمنی تھے خود بخود جلوہ گر ہو گئی۔ اس سلسلے میں عبدالرحمن نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ دورِ ماضی کے بزرگوں سے اگر روحانی فیضان حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں گزشتہ انبیاؑ کا ذکر نہ کرتا۔[۱]

اپنے بیان کے مطابق عبدالرحمن کو سالار مسعود غازی بہرائچی سے بھی روحانی فیض پہنچا تھا۔ غالباً اسی لئے انھوں نے مرآۃ مسعودی کے نام سے ایک رسالہ ان کی سوانح عمری کے بیان میں لکھا تھا۔ بہرائچ کے قرب و جوار میں سالار مسعود غازی کے رفقاء کے مزارات تھے جہاں جاکر اکثر عبدالرحمن روحانی فیضان حاصل کیا کرتے تھے۔[۲] اسی طرح وہ دوسرے بزرگوں کے مزاروں پر بھی حاضری دیا کرتے تھے۔[۳]

شیخ عبدالرحمن چشتی۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی[۴] کے مزار پر جاکر بھی معتکف

---

[۱] مرآۃ الاسرار۔ ص ۶ ب

[۲] مرآۃ مسعودی۔ ص ۶۱

[۳] مرآۃ الاسرار۔ ص ۱۲۱ ب

[۴] ان کی ولادت ۱۳۶۵ء میں ہوئی اور انھوں نے ۱۴۲۶ء میں وفات پائی۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی، شیخ علاء الحق بن اسعد لاہوری بنگالی کے مرید تھے (ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۵۶-۲۵۷؛ خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص ۳۶۸-۳۷۰) توحید وجودی کے قائل تھے کشف و کرامات۔ منازل اور مقامات کے آپ مالک تھے۔ آپ کے مکتوبات بھی مرتب ہوئے تھے۔ لیکن اب دستیاب نہیں ہیں۔ برائے تفصیل دیکھئے۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۴-۲۹۷؛ گلزار ابرار۔ ص ۱۴۵-۱۴۶؛ خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص ۳۷۱-۳۷۷

ہوئے[1] ان بزرگوں کے علاوہ وہ شیخ عبدالرحمن چشتی، حضرت میر سید معزالدین[2]، ساکن امیٹھی، خلیفہ شیخ احمد عیسیٰ تاج جونپوری[3] کی خدمت میں دس بارہ سال کی عمر میں حاضر ہوئے تھے اور انھیں نعمتِ معنوی کی بشارت نصیب ہوئی تھی[4]۔

شیخ عبدالرحمن نے شیخ عبدالغفور صدیقی اجمیری، خلیفہ میر سید محمد محقق (متوفی ۹۵۸ھ/...) سے بھی فیضان حاصل کیا تھا۔ شیخ عبدالغفور ایک مرتاض بزرگ تھے اور انھوں نے ساٹھ سال تک ایسا مجاہدہ کیا تھا کہ وہ مشاہدہ میں بدل گیا تھا۔ ان کا وصال ۱۶۲...ء میں ہوا تھا۔ عبدالرحمن چشتی پر وہ خاص عنایت فرماتے تھے[5]۔

---

[1] مرآۃ الاسرار۔ ص ۳۴۰ ب۔ ۳۴۱ الف

[2] میر سید معزالدین امیٹھوی کا شیخ محمد عیسیٰ تاج جونپوری کے خلفاء میں شمار ہوتا تھا۔ وہ صاحب کمالات تھے اور ان سے خوارقِ عادات ظاہر ہوتے تھے۔ قصبہ امیٹھی کے سادات خود کو اُن کی اولاد بتاتے ہیں۔ مرآۃ الاسرار۔ ص ۳۴۶ الف۔

[3] شیخ محمد عیسیٰ تاج، جونپور کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار، شیخ احمد عیسیٰ کا دہلی کے عزت داروں میں شمار ہوتا تھا۔ دہلی پر امیر تیمور کے قیامت خیز حملے کے وقت وہاں کے اکثر اکابر جونپور چلے گئے جن میں شیخ احمد عیسیٰ بھی تھے۔ اس وقت شیخ محمد عیسیٰ کی عمر تقریباً سات آٹھ سال کی تھی۔ کم عمری میں ہی آپ نے شیخ فتح اللہ اودھی (متوفی ۱۴۱۲ء) کے دستِ مبارک پر بیعت کی (ان کے حالات دیکھئے۔ اخبار الاخیار۔ ۲۹۷۔ ۲۹۹؛ خزینۃ الاصفیا جلد اول۔ ص ۳۸۰) پیر و مرشد کے حسب الارشاد ایک مدت تک ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے مذہبی اور عقلی علوم کسب کئے۔ قاضی صاحب نے انھیں بحثِ امر تک اصول بزدوی پڑھائی تھی جس کی انھوں نے شرح لکھی تھی۔ اس کے بعد سید القیت کی خدمت میں رہ کر باطنی علوم حاصل کئے۔ شیخ محمد عیسیٰ ہمیشہ مراقبے میں رہا کرتے تھے جسم کی تمام ہڈیوں کے ساتھ گردن کی ہڈیاں تک ابھر آئی تھیں اور سینہ اندر کی طرف گھس گیا تھا۔ آپ کا مزار جونپور میں ہے مرجع خاص و عام ہے آپ نے ۱۴۵۰ء میں رحلت پائی۔ مرآۃ الاسرار۔ ۳۴۵ ب۔ ۳۴۶ الف، اخبار الاخیار۔ ص ۳۲۰؛ خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول ص ۴۰۱۔

[4] مرآۃ الاسرار۔ ص ۳۴۶ الف

[5] ایضاً ص ۳۵۵ ب

[6] ایضاً۔ ص ۳۵۵ ب

شیخ عبدالرحمٰن نے شیخ عبدالرحمٰن قدوائی سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ وہ شیخ بدھ کے مرید تھے لیکن انھوں نے شیخ منصور بن شیخ بدھ سے روحانی استفادہ کیا تھا۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے اُن سے بھی بہت سے فیوض حاصل کئے۔ شیخ عبدالرحمٰن قدوائی فقر اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔[1]

شیخ عبدالرحمٰن چشتی، حضرت شیخ حسن صیاف[2] کے بھی مرید تھے جو شیخ عبدالجلیل لکھنوی[3] کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے پیرو مرشد شیخ حسن کی معیت میں شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے چالیس سال تک قیام کیا تھا اس کے بعد ہی وہ سید حسن شریف کچھوچھوی اور اور شیخ حمید بن شیخ قطب چشتی ردولوی کے توسط سے چشتیہ سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ شیخ حسن نے خواجہ معین الدین چشتی، شیخ احمد عبدالحق ردولوی اور سید سالار مسعود غازی سے غائبانہ روحانی فیضان حاصل کیا تھا۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی ایک بلند پایہ صوفی اور عالم تھے بختاور خاں وہ پہلا معاصر ہے جس نے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اُن کا تعارف مرآۃ عالم میں کرایا ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی عمدہ اخلاق، اور پسندیدہ اطوار کے حامل تھے۔ وہ بلند ہمت تھے۔ فقرا اور اغنیا میں سے جو کوئی بھی ان کی خدمت میں حاضر

---

[1] مرآۃ الاسرار ص۔ ۳۳۶ الف

[2] حسن بن مراد انبالوی کی ولادت ۱۵۰۱ء میں ہوئی تھی۔ اُن کا انتقال ۱۶۰۳ء میں ہوا تھا۔ اُن کا مدفن لکھنؤ میں ہے۔ سید عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر (حیدرآباد ۱۹۵۵ء) جلد پنجم۔ ص ۱۳۲-۱۳۳؛ نیز مرآۃ جہاں نما۔ ص ۳۲۳ ب

[3] شیخ عبدالجلیل چشتی لکھنوی کا شمار اس عہد کے مشائخ میں ہوتا تھا اور روحانی طریقے میں وہ اویسیہ سلسلے کے پیرو تھے۔ بظاہر انھوں نے کسی شیخ سے باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی بلکہ خواجہ معین الدین چشتی سے غائبانہ روحانی فیوض حاصل کئے تھے۔ اپنے مریدوں کو جو شجرہ دیتے تھے اُس میں اپنا کے بجائے بطور واسطہ خواجہ صاحب کا نام لکھتے تھے۔ بلا واسطہ وہ اپنی نسبت خواجہ صاحب سے منسوب کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۵۷۲ء میں وفات پائی۔ خزینۃ الاصفیا، ۱، ص ۴۲۹؛ نزہۃ الخواطر [illegible] ۵، ص ۲۰۰-۲۰۱

ہوتا، شیخ موصوف اس کی خدمت کرتے اور اُس کی دلجوئی کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے آخری زمانے میں شیخ عبدالرحمن نے قصبہ دھنتی میں جو دریائے گومتی کے کنارے پر واقع تھا عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں، چوں کہ ان کی آمدنی قلیل اور خرچ زیادہ تھا اس لئے عوام میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ کیمیا گری کے ذریعہ دولت حاصل کرتے تھے۔ اس کے برعکس اُن کے مریدین اور ارادت مند اُنھیں عالم الغیب کے خزانے کا خازن تصور کرتے تھے۔ دربار جہانگیری سے اُنھیں بار ہا گراں قدر مالی امداد ملی تھی ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء میں وہ اپنی خانقاہ دھنتی میں درویشوں اور طالبانِ حق کی روحانی تربیت میں مصروف تھے[۱]

شیخ عبدالرحمن چشتی اور جہانگیر بادشاہ کے تعلقات

شاہانِ مغلیہ میں اکبر بادشاہ اپنی وسیع المشربی کی وجہ سے ہر مذہب وملت کے عالموں اور دینی پیشواؤں سے ملتا تھا اور اُن سے اُن کے ادیان کے بارے میں بحث ومباحثہ کے ذریعہ معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ چوں کہ ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ ابوالفضل، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اکبر کے مذہبی عقائد کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے اس لئے اس بحث کا اعادہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں معلوم ہوتی[۲]۔ جہانگیر بادشاہ نے اپنے والد کے مذہبی عقائد اور اُس کے مسلک کو بہت سراہا ہے[۳] اور اپنے والد کے اصولوں کی پیروی کو اُس نے اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ اس لئے خود وہ بھی مختلف مذہبی فرقوں کے علماء وصلحاء سے ملتا اور ان کے دینی اور روحانی موضوعات پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ اس نے خود لکھا ہے کہ اُسے جوگیوں اور سنیاسیوں سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے بالخصوص جدروپ گسائیں کا ذکر کیا ہے جو اُجین شہر سے باہر

---

[۱] مرآۃ عالم۔ ۲۲۱ الف وب۔ مرآۃ جہاں نما۔ ۳۲۳ ب۔ مولوی اسلم بن حفیظ اللہ۔ فرحت الناظرین مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) ص ۱۹۵ الف وب

[۲] تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ پروفیسر محمد اسلم۔ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر (مطبوعہ دہلی ۱۹۶۹ء)

[۳] تزک جہانگیری (سرسید احمد خاں ایڈیشن) ص ۱۶

[۴] برائے تفصیل دیکھئے تزک جہانگیری، ص ۱۷۵-۱۷۶

جاکر ریگستان میں دور ایک کونے میں سوراخ نما ایک غار میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا کرتا تھا۔ جب جہانگیر کو جدروپ کے بارے میں علم ہوا تو اس کے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پہلے تو اس نے اُنھیں اپنے دربار میں بلانا چاہا لیکن اس خیال سے کہ اُنھیں زحمت ہوگی، ارادہ ترک کر دیا، سیر و سیاحت کے موقع پر جب جہانگیر، اجین پہنچا تو وہ جدروپ سے ملنے گیا۔ جہانگیر نے جدروپ کی قیام گاہ، اس کے حلیہ اور اس کی ریاضتِ شاقہ کے بارے میں روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جدروپ صرف ایک لنگوٹی باندھے رہتا تھا ورنہ اس کا سارا جسم برہنہ ہوتا تھا۔ موسمِ سرما میں بھی وہ الاؤ نہیں جلاتا تھا بلکہ روزانہ دو مرتبہ غسل کیا کرتا تھا[۱]۔ دوسری باتوں کے علاوہ جہانگیر جدروپ کے بارے میں لکھتا ہے :

"خالی از دانش نیست۔ علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد خوب ورزیدہ۔ تا شش گھڑی باد صحبت داشتم، سخنان خوب مذکور ساخت چنانچہ خیلی در من اثر کرد۔ او را ہم صحبت من در افتاد"[۲]

چوں کہ پہلی ملاقات میں جہانگیر کی تشفی نہ ہوئی اس لئے وہ دوسری مرتبہ جدروپ کی خدمت میں حاضر ہوا[۳]۔ اس کے بعد بھی وہ مطمئن نہ ہوا اور تیسری مرتبہ پھر اس سے ملنے گیا اور جدروپ کی زبانی حقائق اور معارف کے کلمات سنتے۔ اس کے بعد جدروپ نقلِ سکونت کر کے متھرا چلا آیا تھا۔ جمنا ندی کے کنارے ایک کُٹی میں وہ سکونت پذیر تھا اور یادِ الٰہی میں منہمک رہتا تھا۔ چوں کہ جہانگیر جدروپ کی ذات سے بہت متاثر ہوا تھا اس لئے وہ اس سے ملنے متھرا گیا اور تخلیہ میں کافی دیر تک اس سے فیوض حاصل کرتا رہا۔ جدروپ کے بارے میں جہانگیر نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ

---

[۱] برائے تفصیل دیکھیے تزکِ جہانگیری۔ ص ۱۷۶۔
[۲] ایضاً۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲
[۳] ایضاً۔ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳

میں کیا ہے۔

"الحق کہ جودش بغایت مغتنم است۔ در مجلس او محظوظ و مستفید توان شد[1]"

چار مرتبہ گوسائیں کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی جہانگیر کو قلبی سکون نصیب نہ ہوا اور روز بروز اس کے دل میں اس سے ملنے کی خواہش بڑھتی ہی رہی۔ اس لئے جہانگیر پانچویں بار پھر اس کی خدمت میں حاضر ہوا[2]۔ اس ملاقات کے علاوہ جہانگیر نے جدروپ سے ایک بار اور ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اس نے خود لکھا ہے:

"دوباز بملاقات گسائیں رفتہ از و وداع شدم۔ بی تکلف جدائی از صحبت او بر خاطر حقیقت گزیں گرانی نمود[3]"

جہانگیر، جدروپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ اس کے کہنے پر اس نے ایک سیر کا وزن ۳۶ دام کے برابر مقرر کیا تھا۔ جہانگیر رقم طراز ہے:

"در عہد دولت حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ وزن سیر سی دام بود مقارن این حال بخاطر گذشت کہ خلاف ضابطہ ایشاں چرا باید کرد۔ اولی آنکہ بدستور سابق سی دام باشد۔ روزی گسائیں جدروپ بتقریبی گفت کہ کتاب بید کہ احکام دین ما در آنجا مثبت است وزن سیر را سی و شش دام نوشتہ اند۔ چوں از اتفاقات غیبی حکم شما بآنچہ کہ در کتاب ما ست مطابق افتاد۔ اگر بہاں سی و شش دام مقرر فرمایند۔ بہتر خواہد بود حکم شد کہ بعد ازیں در تمام ممالک سی و شش دام معمول باشد[4]"

عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) کے عہد میں ایک سیر کا وزن تیس دام کے وزن کے برابر تھا۔ اس کے لحاظ سے دل میں یہ خیال آیا کہ ان کے ضابطے کی خلاف ورزی کیسے کی جائے۔ بہتر تو یہی ہوتا کہ پہلے کی طرح ایک سیر کا وزن تیس دام کے برابر ہی رہنا چاہئے۔ دوران گفتگو ایک دن جدروپ نے کہا کہ بید میں، جس میں ہمارے دین کے احکام

[1] تزک جہانگیری۔ ص ۲۷۹ [2] ایضاً۔ ص ۲۷۹-۲۸۰ [3] ایضاً۔ ص ۲۸۰
[4] ایضاً۔ ص ۲۸۱

قلم بند ہیں، ایک سیر کا وزن ۳۶ دام کے برابر لکھا ہے۔ چوں کہ اتفاق غیبی سے آپ کا حکم اسی کے مطابق صادر ہوا ہے جیسا کہ ہماری کتاب میں ہے، اگر ۳۶ دام مقرر کردیں تو بہتر ہوتا۔ (اس لئے) شاہی حکم صادر ہوا کہ آج سے سارے ملک میں ایک سیر کا وزن ۳۶ دام کے برابر ہوگا)۔[1]

جہانگیر صوفیہ کرام اور علماء سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان کا احترام کرتا اور ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ وہ دینی معاملات میں ان سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ میاں میر قادری (متوفی ۱۶۳۵ء) سے جہانگیر کے اچھے تعلقات تھے۔ لاہور میں وہ میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بادشاہ نے دو خط انھیں لکھے تھے۔[1]
جہانگیر نے چار عالموں پر مشتمل ایک بورڈ بنایا تھا جن سے وہ دینی مسائل میں رجوع کیا کرتا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رقمطراز ہیں۔

"شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن نشاء مسلمانی کہ در نہاد خود دارند بایشان (مرتضی خان شیخ فرید بخاری) فرمودہ اند کہ چہار کس از علماء دیندار بہ پیدا کنند کہ ملازم باشند و بیان مسائل شرعیہ میکردہ باشند تا خلاف شرع امری واقع نشود۔"[2]

جہانگیر نے آخری زمانے میں حضرت مجدد صاحب سے بھی اپنے تعلقات استوار کر لئے تھے اور تخلیہ میں ان سے دینی اور باطنی مسائل کے بارے میں گفتگو کیا کرتا تھا۔[3] اسی طرح جہانگیر، قاضی نصیر الدین برہانپوری کا بڑا احترام کرتا تھا اور جب قاضی موصوف دربار شاہی میں پہنچے تو جہانگیر اس بات کا خیال کئے بنا کہ وہ بادشاہ وقت ہے قاضی صاحب کو گلے سے لگا لیا۔[4]

---

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ دارا شکوہ۔ سکینۃ الاولیاء (مطبوعہ ایران) ص ۴۷ - ۴۸
[2] مکتوبات امام ربانی (نولکشور۔ لکھنؤ ۱۸۷۷ء) مکتوب ۵۳ ص ۷۰ (جلد اول)
[3] ایضاً، جلد سوم۔ مکتوب ۴۳۔ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم و خواجہ محمد سعید در بیان معاملاتی کہ در وقت صحبت سلطان وقت گذشتہ" ص ۶۷، نیز مکتوب ۔ ۱۰۴ ص ۹۳
[4] مرآۃ عالم۔ ص ۲۲۵ الف و ب۔ نیز رحمان علی۔ تذکرہ علمائے ہند (مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴ء) ص ۲۳۸ - ۲۳۹۔

جہانگیر ایسے صوفیہ کی بھی سرپرستی کیا کرتا تھا جو ہندوستانی تصوف اور ادیان کا علم رکھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ شیخ عبدالرحمن چشتی کو جہانگیر کے دربار میں رسائی حاصل تھی اور بارہا انھیں دربار شاہی سے مالی انعامات ملے تھے[۱]۔ قرین قیاس ہے کہ جہانگیر نے شیخ عبدالرحمن چشتی کو اسلامی اور ہندو تصوف کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور اُن کی علمی کتابوں کے مطالعہ کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ شیخ عبدالرحمن نے خود لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جہانگیر نے انھیں کوہ شمالی (کمایوں) کی طرف بھیجا تھا۔ عبدالرحمن چشتی نے وہاں جانے کے اپنے مقصد کے بارے میں خاموشی سے کام لیا ہے لیکن اگر جہانگیر کی سیاسی حکمت عملی کے پس منظر میں اس وفد کے مقصد کو تلاش کیا جائے تو اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ جہانگیر نے یہ حکمت اپنائی تھی کہ راجپوتوں کی فوجی طاقت کو کمزور کیا جائے اور مغلیہ سلطنت میں ان کے اثرات کو کم کیا جائے۔ کیوں کہ ان کے بڑھتے ہوئے اثرات کی بنا پر ایرانی اور تورانی امراء میں بے اطمینانی پھیل رہی تھی۔ اس لئے اس نے بندیلہ سرداروں کی سرپرستی کی اور انھیں اعلیٰ مناصب دیئے۔ مثلاً بیر سنگھ بندیلہ کو اس نے سہ ہزاری منصب عطا کیا تھا[۲]۔ یہ وہی بیر سنگھ بندیلہ تھا جس نے جہانگیر کی ایما پر شیخ ابوالفضل کو قتل کیا تھا۔ دوسری طرف اس نے کمایوں کے زمینداروں اور راجاؤں سے خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت جہانگیر نے عبدالرحمن چشتی کو اُن راجاؤں میں سے کسی راجا کے دربار میں بحیثیت سفیر بھیجا ہو۔ یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے اور یہی مقصد بھی ثابت ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ عبدالرحمن چشتی نے اس موقع پر لچاریہ مُنی بھدر، ایک ہندو برہمن سے بھی ملاقات کی تھی[۳] جو ایک ہندو راجا کے دربار سے وابستہ تھا۔ عبدالرحمن چشتی نے لکھا ہے

---

[۱] مرآۃ جہاں نما۔ ص ۳۲۳ ب
[۲] تزک جہانگیری۔ ص ۱۰
[۳] عبدالرحمن چشتی۔ مرآۃ مسعودی۔ ص ۵۰-۵۱

کہ وہ راجا شہردیو کی اولاد میں سے تھا جس سے جنگ کرتے ہوئے سلطان الشہدا سالار مسعود غازی شہید ہوئے تھے۔

شیخ عبدالرحمن چشتی اور اچاریہ مُنی میں جو گفتگو ہوتی تھی وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس لئے اس کا یہاں مجملاً ذکر کردینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ شیخ عبدالرحمن نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے اس وقت تک مہابھارت نامی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ دورانِ گفتگو میں حسنِ اتفاق سے اچاریہ سے سلطان الشہدا سالار مسعود غازی کا تذکرہ آگیا۔ چوں کہ اچاریہ کو مہابھارت کے علوم پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اس لئے اس نے سلطان الشہدا کی ہندوستان میں آمد سے ان کی شہادت تک کے حالات اور ان تمام جنگوں کا جو انھوں نے کافروں سے لڑی تھیں، اپنی تواریخ کی روشنی میں تفصیل سے ذکر کیا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ جب رائے شہردیو[1] سالار مسعود غازی کو شہید کرنے میں کامیاب ہوگیا اور واپس اپنے پڑاؤ میں آیا تو آدھی رات کو سالار مسعود غازی خواب میں اُسے نظر آئے اور اس سے کہا کہ "تم نے تو مجھے قتل کردیا، کیا تم اور زندہ رہنا چاہتے ہو۔؟ یہ مردوں کا کام نہیں ہے۔" اس خواب کی گفتگو سے رائے شہردیو کو بڑی غیرت آئی۔ دوسرے دن وہ پھر میدانِ جنگ میں گیا اور سالار مسعود غازی کے رفقا سے جنگ کرتا ہوا کام آیا۔

چند دنوں کے بعد جب شیخ عبدالرحمن چشتی کو ملا محمد غزنوی کی نوشتہ تواریخ دستیاب ہوئی تو مطالعہ کے دوران اس نے اس کتاب میں سلطان الشہدا کی کافروں سے جنگوں کی ہو بہو وہی تفصیل قلم بند پائی جیسی کہ اس برہمن نے ہندوستان کی تواریخ کی روشنی میں بیان کی تھی[2]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالرحمن چشتی کو غالباً ایامِ شہزادگی میں شاہ جہاں

---

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ تاریخ سالار مسعود غازی (مطبع جہانگیری، لکھنؤ) ص ۶۹ مابعد

[2] مرآۃ مسعودی۔ ص ۵۰۔ ۵۱

کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اس لئے وہ شہزادہ سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا اور اس کے دل میں یہ خواہش کارفرما تھی کہ اُسے جہانگیر کا جانشین ہونا چاہیئے۔ شیخ عبدالرحمٰن نے اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے کہ ۱۶۲۷ء میں وہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مزار پر حاضر ہوا اور وہاں معتکف ہوگیا۔ اس حالت میں اس نے خضر علیہ السلام اور امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہا کو دیکھا کہ انھوں نے ایک بالا قد اور خوبرو نوجوان کو حضرت رسالت پناہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ اور عرض کیا "ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کو مرض لاحق ہوگیا ہے اور چند دنوں میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اس کے بیٹوں میں صرف یہی نوجوان ایسا ہے جس میں حکومت کرنے کی صلاحیت اور قابلیت پائی جاتی ہے۔" حضرت رسالت پناہ نے اس نیک بخت نوجوان کی پشت پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا۔ "تم اپنے والد کے قایم مقام ہو گے"۔ اس طرح حضرت رسالت پناہ نے اپنی انتہائی مہربانی سے شاہ جہاں کو خواجگانِ چشت کے حوالے کردیا تاکہ وہ اس اقبال مند شہزادے کو اپنی حفاظت میں رکھیں اور اس فقیر (شیخ عبدالرحمٰن چشتی) کو اس معنوی خدمت کے لئے مقرر فرمایا۔ اس موقع پر خواجگانِ چشت[1] نے اس نوجوان کی مملکت اور اس کی جان کے تحفظ کے لئے اس فقیر کو نامزد کیا۔ اور اس نوجوان کی محافظت کے لئے سات ابدالوں میں سے ایک ابدال کو مقرر کیا جو کوہ شمال میں رہتا تھا اور اس کا نام شیخ فیروز

---

[1] چشتی سلسلے کے بزرگوں اور بالخصوص خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے شاہ جہاں بڑی عقیدت رکھتا تھا اور خواجہ صاحب کے مزار پر زیارت کے لئے جایا کرتا تھا اور مراسم زیارت و شرائط نیازمندی سے ادا کرنے کے بعد مزار فائض الانوار کے معتکفوں، مجاوروں اور وہاں کے تمام مستحقوں کو نذور اور صدقات دیا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کی برکت سے داراشکوہ کی ولادت ہوئی تھی۔ شاہ جہاں، قادری سلسلے کے بزرگوں سے بھی عقیدت رکھتا تھا اور دو مرتبہ میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ سکینۃ الاولیا ۴۸۔۴۹؛ محمد صالح کنبو عمل صالح موسوم شاہ جہاں نامہ (مجلس ترقی ادب، لاہور) جلد سوم۔ ص ۱۹۰۔۱۹۱، ۳۵۷۔۳۶۰۔ میرزا محمد معروف معتمد خاں۔ اقبال نامہ جہانگیری (اردو ترجمہ) نفیس اکیڈمی، کراچی (۱۹۶۳ء) ص ۳۶۷۔

درویش تھا۔ تین سال بعد ۱۶۲۷ء میں جہانگیر نے وفات پائی۔ اور حضرت شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب قرآن کے لقب سے اس نوجوان نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا[1]

وفات | شیخ عبدالرحمن چشتی نے ۱۶۸۲ء یا ۱۶۸۳ء میں وفات پائی تھی اور دھنتی نامی قریہ میں اپنے ہی مسکن کے احاطے میں اُن کو دفن کیا گیا تھا[2]۔

تصانیف | شیخ عبدالرحمن چشتی کی سات تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ اُن میں سے بیشتر صوفیہ کرام کی سوانح عمریوں پر مشتمل ہیں اور بعض مقامات پر تصوف کے اسرار و معارف پر بحث بھی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتابیں اہمیت رکھتی ہیں اور اس دور میں ہندوستان کے صوفیہ کرام کے دوسرے مذاہب کے بارے میں رجحانات کا بھی علم ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرحمن نے مرآۃ المخلوقات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اُس دور میں صوفیہ کرام دوسرے مذاہب کی اچھی باتوں کو اپنا لینے میں گریز نہیں کرتے تھے۔

(۱) مرآۃ الحقائق: | یہ رسالہ بھگوت گیتا کا خلاصہ فارسی زبان میں ہے اور اس تصنیف کی وضاحت اسلامی نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔ مرآۃ الحقائق کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں موجود ہے اور ہندوستان میں ایک نسخہ آصفیہ لائبریری، حیدرآباد میں بھی ہے۔

(۲) نفائس الرحمانی یا انفاس رحمانی | یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔ سنہ طباعت ۱۸۹۵ء/۱۸۹۰ء ہے ایک قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں ہے

(۳) اورادِ چشتیہ | جیسا کہ اس رسالہ کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اس میں چشتی سلسلے

---

[1] شیخ عبدالرحمن چشتی نے شاہ جہاں کا سنہ جلوس بروز دوشنبہ ہشتم جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ لکھا ہے۔ مرآۃ الاسرار ص۔ ۱۰۲۹-۳۰ الف و ب۔ عبدالحمید لاہوری نے بھی ہشتم جمادی الثانی سنہ جلوس لکھا ہے بادشاہ نامہ۔ (کلکتہ ۱۸۶۵ء) جلد اول ص ۱۲۹۔

[2] نزہۃ الخواطر، جلد پنجم ص ۲۱۳-۲۱۴

میں مروجہ وظائف اور اوراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔ ایک ناقص نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی ہے۔

(۴) مرآۃ الاسرار۔ دور اول سے مولانا حسام الدین مانکپوری[1] تک بہت سے صوفیہ کرام کے حالات قلم بند ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کی ابتدا ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء-۱۶۳۶ء میں ہوئی تھی اور اختتام ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء میں ہوا تھا۔ اس کتاب میں ایک دیباچہ ہے جس میں تصوف کے موضوع پر بحث کی گئی ہے، اس کے علاوہ روحانی معرفت کے مدارج اور سبب تالیف کتاب اور مشمولہ مضامین کے عنوانات درج ہیں۔ ایک مقدمہ بھی ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جن چار افراد کو خرقۂ خلافت پہنچا تھا انھیں چہار پیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت کمیل بن زیاد[2] اور خواجہ حسن بصری[3]۔ اس کے بعد عبدالرحمن چشتی نے ابتدائی اور بنیادی صوفی خانوادوں کے ساتھ ساتھ بعد کے فروعی سلسلوں کا بھی مجملاً ذکر کیا ہے اُن کے علاوہ حضرات غوث، اقطاب اور دوسرے صوفیوں کے حالات قلم بند ہیں۔ یہ کتاب خاتمہ کے علاوہ ۲۳ طبقات پر مشتمل ہے اور ہر طبقے میں بعض اولیاء اللہ کے حالات درج ہیں۔ اور بعض مقامات پر ایک ہی جگہ پر چند بزرگوں کا اجمالی ذکر کر دیا گیا ہے اس کتاب کے قلمی نسخے ہندوستان کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی موجود ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ بقیہ صفحہ ۱۸۹ پر

[illegible]

---

[1] مولانا حسام الدین مانکپوری کی ولادت ۸۴۲ھ اور ان کا انتقال ۱۴۴۹ء میں ہوا تھا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ گلزار ابرار۔ ص ۱۰۶-۱۰۷؛ اخبار الاخیار۔ ۲۱۳-۲۱۶؛ خزینۃ الاصفیا: جلد اول۔ ص ۴۰۰-۴۰۱

[2] حضرت علی ابن ابی طالب کے ساتھیوں میں تھے۔ اپنی قوم میں شریف اور قابل اطاعت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک تھے۔ وہ عرصہ تک کوفہ میں رہے اور حدیثیں بھی روایت کیں۔ حجاج نے انھیں قتل کروا دیا تھا۔ ان کی ولادت ۱۲ھ میں اور ۸۲ھ میں وہ قتل ہوئے۔ دیکھئے۔ الاعلام۔ الزرکلی (مصر۔ ۱۹۵۵ء) جلد ششم۔ ص ۹۳

[3] خواجہ الحسن بن ابی الحسن البصری کی ولادت ۲۱ھ مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ بعد میں انھوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ علوم ظاہری و باطنی میں جامع تھے۔ خرقۂ خلافت انھوں نے حضرت علی سے حاصل کیا تھا۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بصرہ میں ہے۔ برائے حالات دیکھئے۔ سیر الاولیاء صفحہ ۴

۴۴